ڈاکٹر محمد حمید اللہ سے ایک یادگار ملاقات

* پروفیسر ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی

ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم، عالم اسلام کی ایک نابغہ روزگار شخصیت تھی۔ امت مسلمہ ہی نہیں پوری عالم انسانیت کے لیے ان کا وجود باعثِ خیر و برکت تھا۔ ان کے علمی کارنامے، اہل علم و تحقیق کے لیے قابلِ تقلید ہیں اور باعثِ فخر بھی۔ باری تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ آمین۔

ان کی علمی تحقیق سے تادیر کسب و اکتساب کیا جاتا رہے گا اور رہنمائی لی جاتی رہے گی۔ اس کے ساتھ ان کی تحقیقات علمی و دینی پر نقد ہوگا اور اس کا تجزیاتی مطالعہ بھی، لیکن یہ سب کچھ اونچے درجے کے عالم اور سکالر کریں گے۔ میں کہ ایک عامی اور معمولی مدرّس ہوں، اسی بات کو اپنے لیے باعثِ افتخار سمجھتا ہوں کہ اس نابغہ عصر کی، جس کا نام نامی محمد حمید اللہ تھا، دوبار تو زیارت ہوئی اور اُنہیں بولتے اور تقریر کرتے بھی سنا.........اور ایک بار بالمشافہ ملاقات بھی ہوئی۔ یہ ملاقات میری زندگی کے چند اہم اور یادگار واقعات میں سے ہے، چنانچہ میں مرحوم کے علم و فضل، تبحر علمی اور دینی تحقیقات پر کلام کرنے کے بجائے (جس کا میں اہل بھی نہیں ہوں) فقط، مذکورہ ملاقات کی روداد بیان کرنے پر اکتفا کروں گا۔ اس میں آپ کو ان کی شخصیت کی ایک جھلک نظر آئے گی اور اندازہ ہوگا کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ اپنی ذات میں کیسے بڑے، بے بول اور بے مثل انسان تھے۔

یہ ملاقات ۷/دسمبر ۱۹۹۱ء کو پیرس کے ہوٹل اکادیمیہ کے کمرہ نمبر ۵ میں ہوئی۔ اس ملاقات میں پروفیسر محمد منور مرزا، جناب محمد سہیل عمر، جناب عبدالرحمٰن بزمی اور یہ ناچیز موجود تھا۔ مناسب ہوگا کہ اس کا مختصر پس منظر بھی عرض کر دوں۔ قرطبہ کی عالمی اقبال کانفرنس (نومبر ۱۹۹۱ء) میں پاکستان سے ڈاکٹر جسٹس جاوید اقبال، بیگم ناصرہ اقبال، پروفیسر محمد منور، جناب محمد سہیل اور راقم شریک تھے۔ جاوید صاحب تو کانفرنس کے بعد بیگم کے ساتھ واپس چلے گئے

---

* سابق صدر شعبہ اردو، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

اور ہم تینوں نے قرطبہ کے بعد غرناطہ کا رخ کیا۔ اسلام آباد کے ہسپانوی سفارت خانہ نے بڑی خست سے کام لیتے ہوئے فقط سات یوم کا ویزا دیا تھا جو غرناطہ پہنچتے پہنچتے نبڑ گیا تھا۔ چنانچہ ویزوں میں توسیع کرانے کی تگ و دو میں ہمیں غرناطہ میں چھ، سات روز ٹھہرنا پڑا۔ (اس دوران ہم نے الحمراء اور دوسرے مسلم آثار دیکھے، چند مساجد کا سراغ لگایا اور بعض مسلمانوں سے تبادلہ خیال رہا) توسیع ملی تو ہم اشبیلیہ پہنچے۔ وہاں دو روز کے قیام میں فرانسیسی قونصل خانے سے خاصی مشکل سے بلکہ ایک سفارش پر، فرانس کا ویزا حاصل کیا۔

۵ر دسمبر کی شب ہم پیرس میں وارد ہوئے اور شاہراہ موں پرناس کی ایک بغلی سڑک پر واقع ایک درمیانی درجے کے ہوٹل اکادیمیہ میں ٹھہرے تھے۔ ڈاکٹر رحمت اللہ صاحب، یہاں سے قریب ہی رہتے تھے وہ ملنے کے لیے آئے تو طے ہوا کہ کل صبح حمید اللہ صاحب سے ملنے چلیں گے۔ ڈاکٹر رحمت اللہ سے قرطبہ کانفرنس میں ملاقات ہوئی تھی۔ وہ عرصہ دراز سے پیرس میں مقیم تھے۔

دوسرے روز صبح ہوٹل اکادیمیہ سے نکل کر، ہم ڈاکٹر رحمت اللہ کی راہنمائی میں محمد حمید اللہ صاحب سے ملاقات کے لیے روانہ ہوئے، وہ ہمیں سیر کرانے کے موڈ میں تھے۔ لکسمبرگ باغ میں گھومتے گھماتے، پھر وہاں سے نکل کر مختلف تاریخی عمارتیں دکھاتے ہوئے وہ ہمیں سوربون یونیورسٹی کے علاقے میں لے آئے۔ یہاں سلپیس روڈ پر ہم ایک ناشر کی دکان پر رکے جو مشرقی علوم سے متعلق بھی کتابیں چھاپتا ہے۔ اس نے علامہ اقبال کے انگریزی خطبات کا فرانسیسی ترجمہ بھی شائع کیا تھا۔ یہاں ہم نے چند کتابیں دیکھیں، فہرست لی اور چل نکلے۔

ٹورناں (Tournt) روڈ پر واقع محراب دار گیٹ سے ہم ایک حویلی میں داخل ہوئے۔ معلوم ہوا کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب دوسری منزل پر رہتے ہیں۔ حویلی کی ناظمہ اس شدید سردی میں بھی حویلی کا فرش دھونے دھلانے میں مصروف تھی اس نے بتایا:

> ''ڈاکٹر صاحب کہیں باہر گئے ہیں۔ مرزا صاحب نے اپنے کارڈ پر مختصر سا پیغام لکھ کر دے دیا رحمت اللہ صاحب نے بھی چند سطروں میں ہمارا اشتیاقِ ملاقات رقم کر دیا۔ افسوس ہوا کہ ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کی یہ پہلی کوشش ناکام رہی۔''

دن بھر اِدھر اُدھر گھومنے پھرنے کے بعد ساڑھے چھ بجے ہم رحمت اللہ صاحب کے ہاں پہنچے۔ انہوں نے بتایا کہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب آئے تھے اور آپ کے لیے یہ خط چھوڑ گئے ہیں۔ خط، مرزا صاحب کے نام تھا:

۱۲/۶/۱۹۹۱ء

مخدوم ومحترم زاد مجدکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں بے حد متاسف ہوا کہ آپ نے زحمت فرمائی اور میں گھر پر نہ تھا۔ اس ناچیز کی زندگی کا یہ حال ہے کہ ہر روز نظام العمل بدلتا رہتا ہے اور کوئی ایسا وقت نہیں کہ ہر روز کے لیے معین ہو۔ میرے ہاں نہ ٹیلی فون ہے اور نہ، بہرا ہو جانے کے باعث، ٹیلی فون پر آ کر بات کر سکتا ہوں۔

اگر آں محترم یہ اطلاع دے سکیں کہ کہاں قیام ہے، اور کب تک قیام رہے گا تو میں مثلاً کسی شام کو ساڑھے پانچ چھ پر، یا اس کے بھی بعد، حاضر خدمت ہو جاؤں گا، اور چند منٹ سکون سے استفسار کر سکوں گا۔

نیاز مند خادم

محمد حمید اللہ

یہ رقعہ پا کر ہمیں خوشی ہوئی کہ صاحب موصوف نے اس قدر توجہ کی، مگر ساتھ ہی افسوس اور کچھ ندامت بھی کہ انہوں نے اس قدر زحمت اٹھائی، پھر بھی ملاقات نہ ہو سکی۔

اگلے روز صبح ناشتے کے بعد ہم پھر ٹورناں روڈ کی طرف چلے۔ ہمارے دوست عبد الرحمٰن بزمی صاحب اُس صبح لندن سے، بہ غرض ملاقات یہاں پہنچے تھے اُن سے ذکر کیا تو وہ بھی بہت خوش ہوئے اور ہمارے ساتھ چل پڑے کہنے لگے:

''یہ تو سونے پر سہاگا ہو گیا۔ ایک تو آپ لوگوں سے دو روز صحبت رہے گی، پھر حمید اللہ صاحب کی زیارت اور ملاقات، جس کی تمنا عرصۂ دراز سے تھی۔''

ٹورناں روڈ پر پہنچے اور حویلی میں داخل ہوئے تو جواب ملا: ''موجود نہیں ہیں..........'' ہمارا قیاس تھا (یا بدگمانی) کہ ڈاکٹر صاحب موجود ہیں، مگر حویلی کی ناظمہ انہیں ملاقاتیوں سے محفوظ رکھنا چاہتی ہے بہرحال ہم نے ڈاکٹر صاحب کے لیے تحریری پیغام چھوڑا ''ہم ہوٹل اکادیمیہ میں شام ۵ بجے سے آپ کے منتظر رہیں گے۔''

دن کا وقت ہم نے ادھر اُدھر گھومنے میں گذارا۔ ایفل ٹاور دیکھا پھر پیدل وہاں سے مقبرہ نپولین پہنچے بعد ازاں مقبرے سے متصل ایک فوجی عجائب گھر دیکھا اور واپس ہوٹل آ گئے۔

شام ۵ بجے ہم ہوٹل اکادیمیہ کے کمرہ ۵ میں بالکل تیار اور منتظر بیٹھے تھے۔ ۵ بج کر چالیس منٹ پر مغرب کے کچھ ہی دیر بعد، ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب تشریف لے آئے۔ میں نے انہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ محبت اور احترام واشتیاق کی نظر ان پر مرکوز تھی۔ ایک دبلا پتلا اور دھان پان آدمی، اوور کوٹ، مفلر، جناح کیپ سے مماثل سیاہ ٹوپی، ڈاڑھی کے بال زیادہ تر سیاہ.......... ایک مایہ ناز شخصیت اور امتِ مسلمہ کے لیے ایک قابل فخر انسان، جس کی ساری زندگی خدمت اسلام اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے وقف رہی، اور جو بہ ایں پیرانہ سالی آج بھی جوانوں کی طرح، بلکہ ان سے کہیں بڑھ کر سرگرم عمل ہے۔

علیک سلیک ہوئی۔ چند خیر مقدمی جملوں کے بعد ہم نے ان کا شکریہ ادا کیا کہ وہ زحمت کر کے یہاں پہنچے۔ ڈاکٹر صاحب ثقل سماعت کے سبب اونچا سنتے ہیں مگر گفتگو آہستہ آہستہ اور دھیمے لہجے میں کرتے ہیں۔

خیر خیریت اور احوال پرسی کے بعد، ہمارے استفسارات پر ڈاکٹر صاحب نے بتایا:

''چالیس سال سے یہاں ہوں۔ میری شہریت فرانس کی نہیں، حیدر آباد کی بھی نہیں، بے وطن ہوں۔ میرے پاس کسی ملک کا پاسپورٹ نہیں۔ بس ٹریولنگ پیپرز ہیں، جو فرانسیسی

حکومت نے دیے ہیں، ان پر سفر کرتا ہوں۔"

سوال : "فرانس کی شہریت کے لیے آپ نے کبھی مطالبہ نہیں کیا؟"

جواب: "نہیں، معلوم نہیں کیوں؟ لیکن بہر حال کبھی نہیں کیا۔"

فرانس میں اسلام اور نو مسلموں کا ذکر چل نکلا۔ کہنے لگے:

"جی ہاں، بلا مبالغہ میرے ہاتھ پر سینکڑوں لوگوں نے اسلام قبول کیا ہوگا۔ ان میں ہر طبقے کے لوگ ہیں۔ طلبہ، پروفیسر، عالم فاضل لوگ، کچھ سفیر بھی، نانبائی بھی اور اگر آپ یقین کریں تو پیرس میں بعض پادری اور نن بھی مسلمان ہوئے ہیں۔ الحمدللہ، ان میں ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہمارے مسلمان ہونے کا اعلان نہ کیا جائے اور اگر ہمیں نام دینے کی ضرورت ہو تو بلا اجازت ہمارا نام نہ دیں۔"

مرزا صاحب: "کیا ان کے بچے بھی مسلمان ہو جاتے ہیں؟"

جواب: "جی ہاں، ان کا فورنیم بھی ہوتا ہے، جو اسلامی ہوتا ہے یعنی عبداللہ، عبدالرحیم وغیرہ، لیکن ایسا کم ہوتا ہے۔ ویسے میں کہتا ہوں کہ بچے ماں باپ کے نگران ہوتے ہیں۔ اگر ماں باپ اسلام پر عمل کرتے ہیں تو بچے از خود تقلید کرتے ہیں۔ ان کے بھٹکنے کا امکان کم ہوتا ہے۔ لیکن اگر ماں باپ خود عمل نہ کرتے ہوں اور چاہیں کہ بچے اولیاء اللہ بن جائیں تو................."

مرزا صاحب: "نو مسلموں کے لیے یا بچوں کے لیے دینی تعلیم کا کوئی بندوبست؟"

جواب: "ادارے تو ہیں، مساجد ہیں، یہ ان کی مرضی ہے، چاہیں تو پڑھنے کے لیے آسکتے ہیں۔ بعض مساجد میں بچے اور بچیوں کے لیے شام کے اوقات میں بھی انتظام ہے۔ اتوار کی صبح بھی اہتمام ہوتا ہے۔"

اثنائے گفتگو میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کی تصانیف کا ذکر آ گیا۔ فرانسیسی میں ان کا ترجمہ قرآن اور سیرت النبیؐ

بار ہا چھپے ہیں۔ سیرت کا متعدد زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ ان کی کتاب Introduction to Islam کا ترجمہ ۲۲،۲۰ زبانوں میں ہو چکا ہے۔ اس کی تالیف کا قصہ بہت دلچسپ ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے ایک بار بتایا کہ:

''ایک دن میرے پاس امریکہ سے ایک گم نام شخص کا خط آیا، جس میں اس نے لکھا تھا کہ میں ایک کالا انسان ہوں، میں نے کسی وجہ سے اسلام قبول کیا، لیکن تلاش کے باوجود مجھے کوئی ایسی چیز نہیں ملی، جس سے میں اپنے اس نئے مذہب سے متعلق معلومات حاصل کر سکوں، اگر آپ کے علم میں ایسی کوئی کتاب ہے تو مجھے بتایئے۔ میں نے غور وغوض کے بعد یہ محسوس کیا کہ اسلام سے متعلق کوئی جامع کتاب نہیں پائی جاتی۔ انگریزی میں اور نہ فرانسیسی زبان میں۔ میرے لیے آسان طریقہ تو یہ تھا کہ میں اس کالے شخص کو معذرت کا خط لکھ دیتا لیکن میں نے خیال کیا کہ اگر جامع کتاب نہیں ہے تو اسے لکھنا ہم پر فرض ہے، ہمیں یہ فرض ادا کرنا چاہیے۔

میں نے ایک دن اپنے دوستوں میں سے ۱۰، ۱۲ کو اپنے ہاں مدعو کیا اور انہیں کالے کا خط دکھایا اور ان سے کہا کہ کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ ہم ایک جامع کتاب تیار کریں جس میں اسلام کی ہر ضرورت کا مختصر طور پر ذکر ہو، لیکن یہ کام ایک آدمی کے بس کا نہیں، ہم ۱۰، ۱۲ دوست مل کر اس کام کو انجام دیں، ان شاء اللہ، خدا ہمیں اس کا اجر دے گا۔ دوستوں نے میرے اس خیال کی تائید کی اور مدد دینے کے لیے تیار ہو گئے اور کہا کہ تین ماہ میں یہ کام مکمل ہو جائے گا۔ چنانچہ ہر ایک میں ایک ایک باب تقسیم کر دیا گیا۔

مذکورہ ۱۰، ۱۲ دوستوں میں بھارت، مصر، افریقہ اور دیگر ممالک کے مسلمان شامل تھے۔ یہ کام شروع کیا گیا اور میں نے تین ماہ میں اپنے حصے کا کام مکمل کر لیا۔ جب میں نے دوسروں سے معلوم کیا تو ہر ایک نے مجھ سے کہا: معاف کیجئے ہمیں مزید کچھ وقت دیجئے ہم جلد اسے مکمل کر لیں گے۔ چونکہ میں نے اپنا کام مکمل کر لیا تھا، اس لیے میں نے دوسرے باب پر لکھنا شروع کیا۔ ایک ماہ گزرنے کے بعد میں نے پھر اپنے دوستوں سے کام کے بارے

میں دریافت کیا تو انہوں نے پھر وہی جواب دیا، چنانچہ میں نے تیسرا باب بھی لکھ ڈالا۔ آخر کار اسی طرح سارے باب میں نے خود ہی لکھے اور اس طرح کتاب مکمل ہوگئی جو میری خواہش کے بغیر ایک ہی مولف کے خیالات پر مشتمل ہے۔ اس طرح خدا نے خیالات میں یکسانیت (Uniformity of Ideas) پیدا کرنے کا انتظام فرما دیا۔''

ڈاکٹر صاحب کثیر التصانیف عالم ہیں، ان کی علمی و تحقیقی خدمات کا احاطہ یہاں ممکن نہیں۔ ان کی بیسیوں کتابیں، دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو کر، خلق خدا کے لیے فیض یابی کا ذریعہ بن رہی ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ متعدد تراجم اور بعض ایڈیشن خود ان کے علم میں بھی نہیں آتے۔ میں نے ان کی سیرت کے ایک ملخص اردو ترجمے کا ذکر کیا جو دس بارہ سال پہلے کراچی سے چھپا تھا۔ انہیں اس کا علم نہ تھا۔ ان کی درویش منشی کا یہ عالم ہے کہ کتابوں کی آمدنی اور رائلٹی کو انہوں نے مالی فائدے یا آسودگی کا ذریعہ نہیں بنایا۔ سب کچھ طلبہ یا تعلیمی اداروں اور کتب خانوں کو ہدیہ کر دیتے ہیں۔

ان کی زندگی سادگی اور فقر و درویشی کی ایک مثال ہے۔ بتانے لگے کہ گوشت نہیں کھاتا۔ کیوں کہ یہاں کا ذبیحہ، میرے نزدیک مشکوک ہے۔ وہ خود ہی، اپنے کمرے میں دال، دلیا، بنا لیتے ہیں یا ٹوسٹ اور دودھ گرم کر لیتے ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ ان کے اوورکوٹ پر پیوند لگا ہوا تھا۔

بزمی صاحب، کچھ کہنے کے لیے منتظر اور بے تاب تھے۔

''ڈاکٹر صاحب' میں اپنے آپ کو بہت خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ یہاں حاضر ہوا، اور آپ سے ملاقات کی دیرینہ آرزو پوری ہوگئی۔''

ڈاکٹر صاحب: ''میں بھی مشرف ہوا ہوں۔''

بزمی صاحب: ''اور آپ سے مجھے بہت پرانی عقیدت ہے۔ میں 'صدق' پڑھتا رہا ہوں۔''

ڈاکٹر حمید اللہ: ''دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں۔''

بزمی صاحب: ''نہیں یہ بات نہیں ہے خدا نے آپ کو جو............''

ڈاکٹر حمید اللہ: ''میں تو بس خدمت کر سکتا ہوں۔''

بزمی صاحب: ''آپ کی جو شخصیت ہے، آپ کا مقام و مرتبہ ہے، علمی دنیا میں جو آپ کا اعتراف ہے، وہ اپنی جگہ بالکل مسلم ہے۔ اللہ نے توفیق عطا کی ہے تو یہ بڑی بات ہے۔ میں ۱۹۵۰ء سے ''صدق'' منگا کر پڑھتا رہا، یہ آپ سے غائبانہ تعارف کا ایک ذریعہ بن گیا کیوں کہ اس میں آپ کی کسی خدمت یا تصنیف کا ذکر ہوتا تھا۔ میں گذشتہ ۱۹ برسوں سے انگلستان میں مقیم ہوں اور کئی بار سوچا کہ آپ سے ملاقات کے لیے پیرس آؤں، لیکن ہر چیز کا ایک وقت معین ہے۔ آج ملاقات ہوئی ہے۔''

مرزا صاحب: ''الحمد للہ، الحمد للہ۔۔۔۔ اللہ ڈاکٹر صاحب کو خوش رکھے۔ آپ نے اس ضعیف العمری میں اتنی تکلیف اٹھائی۔ راستہ بھی دور کا ہے۔''

ڈاکٹر حمید اللہ: ''میں پیدل نہیں آیا۔ میٹرو میں آیا ہوں۔ اللہ کا شکر ہے کہ ابھی چل پھر سکتا ہوں۔

ذرا سا توقف ہوا۔ میں نے موضوع بدلتے ہوئے سوال کیا: ''کیا آپ کبھی علامہ اقبال سے بھی ملے؟''

ڈاکٹر حمید اللہ: ''پہلی بار لاہور آیا تھا تو اقبال زندہ تھے۔ ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ حالت یہ تھی کہ وہ لیٹے رہتے تھے۔ نئے ملاقاتی آتے۔ سلام کرتے، کچھ دیر بعد چلے جاتے۔ اجازت کا کوئی سوال نہ تھا۔ دربار عام تھا۔ اسی طرح میں بھی ایک دوست کے ساتھ ان کے ہاں گیا۔''

مرزا محمد منور: ''ان سے کوئی بات ہوئی؟''

ڈاکٹر حمید اللہ: ''بس مختصر سی، میں نے کہا: مجھے قانون سے دلچسپی ہے، فیکلٹی آف لاء کا طالب علم ہوں تو کہنے لگے: یہ بڑی اہم چیز ہے، اس میں تلاش اور کوشش جاری رکھو، اس وقت ان کے پاس کچھ اور دوست اور رفیق بھی موجود تھے۔ منشی طاہر دین بھی تھے۔''

انہی دنوں میں ڈاکٹر حمید اللہ نے جگن ناتھ آزاد کی منظوم تاریخ انسانیت میں سے آنحضورؐ کی ولادت باسعادت کے متعلق اشعار اور نعتوں کا فرانسیسی ترجمہ کیا تھا۔ گفتگو میں اس کا ذکر بھی آیا راقم نے پوچھا:

''ڈاکٹر صاحب، یہ ترجمہ آپ نے خود کیا یا فرمائش پر؟''

ڈاکٹر حمید اللہ: ''فرمائش نہیں، بلکہ مجھے خود خواہش تھی۔ میں نے ترجمہ کیا۔ اجازت لی۔''

مرزا محمد منور: ''جگن ناتھ آزاد بھی قرطبہ آئے ہوئے تھے، وہیں انہوں نے بتایا کہ میری نعت کا ترجمہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے فرانسیسی میں کیا ہے۔''

ڈاکٹر محمد حمید اللہ: ''جی ہاں، رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ان کی نظم مجھے پسند آئی۔''

قرطبہ میں آزاد صاحب نے اس کا ایک دستخطی نسخہ مجھے عنایت کیا تھا، میں نے مذکورہ کتاب ڈاکٹر صاحب کی طرف بڑھاتے ہوئے عرض کی۔ اس کتاب پر دستخط فرما دیں، آٹو گراف دے دیں۔ یہ آپ کا ترجمہ کیا ہوا ہے، میرے پاس کتاب یادگار رہے گی۔''

ڈاکٹر محمد حمید اللہ: ''آپ کا حکم ہے تو کر دیتا ہوں، لیکن مجھے یہ بالکل پسند نہیں۔''

میں نے عرض کیا: ''آپ کر دیجئے، میرے لیے یہ ایک افتخار ہوگا۔''

ڈاکٹر حمید اللہ: ''کیا لکھوں صاحب؟''

راقم: ''جو آپ مناسب سمجھیں۔''

(یہ کہتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے حسب ذیل عبارت لکھ کر دستخط کر دیے)

وفقنا اللّٰه لِمَا يُحبُّ و يرضاه' (محمد حمید اللہ، یکم جمادی الآخر ۱۴۱۲ھ)

پھر فرمایا: ''میری یہ حالت ہے کہ آپ کے لیے کوئی چھوٹی سی کتاب یا رسالہ بھی نہ لا سکا۔''

مرزا صاحب: ''آپ کی زیارت ہوگئی، اس سے بڑا تحفہ اور کیا ہو سکتا ہے۔''

ڈاکٹر حمید اللہ: ''ویسے میرا بھی کچھ فریضہ ہے، جو مہمان آئے، اس کی کچھ خدمت کروں۔''

مرزا صاحب: ''اللہ آپ کو صحت مند رکھے۔ یہ جو آپ نے شمع دین یہاں روشن کر رکھی ہے۔''

ڈاکٹر حمید اللہ: ''اس میں میرا تو دخل نہیں ہے۔ یہ اللہ ہی کا فضل ہے۔''

میں نے سوال کیا: ''آج کل آپ کا تصنیفی کام کیا ہے؟ کچھ لکھنے پڑھنے کا کام کر رہے ہیں؟''

کہنے لگے: ''روزانہ کوئی نہ کوئی کام چلتا رہتا ہے۔ ایک وقت میں پچیس کام ہاتھ میں رہتے ہیں۔ میں کوئی ایک کام نہیں بتا سکتا۔ جب تک کام مکمل نہ ہو، میں اس کا اعلان نہیں کرتا۔''

کچھ توقف کے بعد کہنے لگے: ''اب اجازت مرحمت فرمائیں۔''

مرزا صاحب: جی تو نہیں چاہتا مگر............''

راقم: ''آپ ہمارے لیے خصوصی دعا فرمائیے۔''

ڈاکٹر حمید اللہ: ''وہ رب العالمین ہے، سب کی سنتا ہے۔.........''

اس کے بعد سورۃ فاتحہ کی تلاوت کی، پھر چلنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ بہ وقت رخصت عرض کیا:

''اگر اجازت ہو تو چائے کی ایک پیالی..........''

کہنے لگے: ''میں چائے نہیں پیتا، چالیس سال سے نہیں پی..........''

ہوٹل سے نیچے اترتے ہوئے پوچھا: ''آپ کا کتنے دن قیام رہے گا؟''.......... بتایا:

دس دسمبر کو روانہ ہوں گے.......... فرمایا: ''خدا آپ کو خیریت سے لے جائے..........''

اس مردِ درویش کو رخصت کر کے ہم واپس کمرے میں آئے تو ملاقات کا تاثر، ایک نشے کی سی کیفیت میں، باقی تھا۔ بہ الفاظ مرزا صاحب یہ: ''شادابی ایمان کی سی کیفیت تھی'' چنانچہ ہم خاصی دیر تک موصوف ہی کی باتیں کرتے رہے۔ بزمی صاحب اپنے دورۂ پیرس کی کامیابی پر بہت مسرور و شاداں تھے اور اس بات پر بھی کہ انہوں نے ڈاکٹر صاحب

کی باتیں فیتہ بند (tape) کر لی تھیں ۔ وہ کیسٹ کو جگہ جگہ سے الٹا گھما کر (reverse) کر کے دیکھ رہے تھے.................بلاشبہ ڈاکٹر صاحب جیسے نادر روزگار انسان کی آواز بھی ایک خزینہ ہے۔ایسا شخص نادر روزگار نہیں تو کیا ہے۔اپنا کھانا خود پکاتا ہے،گوشت نہیں کھاتا۔ چائے نہیں پیتا،چالیس سال سے چائے نہیں پی۔ پیرس کے اس شدید سرد موسم میں، جہاں دن میں دس مرتبہ چائے یا کافی پینے کو جی چاہتا ہے۔صبر وضبط کا یہ مظاہرہ،ڈاکٹر صاحب جیسا پرہیز گار شخص ہی کرسکتا ہے۔دھان پان جسم کے ساتھ ان کی صحت کا راز اسی ضبط نفس میں نظر آیا۔

میں سوچ رہا تھا کہ کہ حمید اللہ صاحب نے اوائل عمر ہی سے ایک خاص طرز کا اسلوبِ حیات اپنالیا تھا،اور وہ ساری عمر اس پر کار بند رہے۔ پھر انہوں نے حیات مستعار کا ایک مقصد متعین کرلیا۔وہ مقصد کیا تھا: خدمت دین، خدمت علم، خدمت انسانیت ۔مگر جو لوگ اونچے مقاصد و مناصب کے پیچھے بھاگتے پھرتے ہیں،ان کے مقابلے میں ڈاکٹر صاحب کو کہیں زیادہ شہرت ملی ،عزت بھی نصیب ہوئی اور انہوں نے یقین کامل ہے کہ اپنی آخرت بھی سنوار لی ۔رہ رہ کر میرے ذہن میں ایک سوال چھبتا ہے آج ہم پاکستانی اکابر و اصاغر نے کیا اسلوبِ حیات لائف اسٹائل)اختیار کررکھا ہے؟ ڈاکٹر محمد حمید اللہ جیسی اپنے مشن سے وابستگی،علمی لگن، جاہ ومنصب سے بے نیازی، فقر ودرویشی،خدمت دین اور خدمت امت کا جذبہ تو خواب وخیال بن کر رہ گیا ہے۔

تمت بالخیر